

## مشرق وسطیٰ کی صورت حال اور سعودی سلامتی

مشرق وسطیٰ میں صورت حال کس رخ پر جا رہی ہے، اس کے بارے میں ۱۹ اپریل کے اخبارات میں شائع ہونے والی دو خبریں ملاحظہ فرمائیں۔ ایک خبر کے مطابق ایران کے صدر محترم جناب حسن روحانی نے کہا ہے کہ سعودی عرب نے یمن پر فضائی حملہ کر کے نفرت کے بیج بو دیے ہیں جس کے نتائج اسے سمیٹنا پڑیں گے۔ جبکہ دوسری خبر میں لبنان کے سابق وزیر اعظم سعد حریری نے حزب اللہ کے سربراہ حسن نصر اللہ پر الزام لگایا ہے کہ وہ ایرانی ایجنڈے پر عمل پیرا ہیں اور سعودی حکمرانوں کے خلاف نفرت انگیزی کی مہم چلا رہے ہیں۔ اس کے بعد ۲۱ اپریل کے اخبارات میں ایرانی افواج کے کمانڈر بریگیڈیئر احمد رضا بور دستان کا یہ بیان شائع ہوا ہے کہ یمن کے باغیوں کے خلاف فضائی حملے نہ روکنے کی صورت میں سعودی عرب پر حملہ کیا جاسکتا ہے۔

مگر ہم آج اس کی بجائے امریکہ کے صدر باراک اوباما کے ایک اہم انٹرویو کا تذکرہ کرنا چاہیں گے جو انہوں نے گزشتہ دنوں ”نیویارک ٹائمز“ کے صحافی تھامس فریڈمین کو دیا ہے اور مشرق وسطیٰ کی سنی آبادی کے حوالہ سے اپنے موقف اور احساسات کا اظہار فرمایا ہے، امریکی صدر محترم کا ارشاد ہے کہ:

”جہاں تک ہمارے سنی عرب اتحادیوں مثلاً سعودی عرب کی حفاظت کا سوال ہے تو میرے خیال میں سعودیوں کو واقعی چند حقیقی بیرونی خطرات کا سامنا ہے لیکن ان کو کئی اندرونی خطرات بھی لاحق ہیں۔ مثلاً سعودی آبادیاں ہیں کہ جو ملک کے معاملات سے بیگانہ محض بنا دی گئی ہیں۔ سعودی نوجوان (مرد اور خواتین) بے روزگار ہیں۔ سعودی آئیڈیالوجی ہے جو کہ انتہائی تباہ کن اور غیر حقیقی ہے اور ایک حد تک سعودیوں کا وہ یقین ہے کہ ان نوجوانوں کی شکایتوں اور ناراضگیوں کے نکاس کے لیے کوئی جائز سیاسی راستہ موجود نہیں ہے۔ چنانچہ ہمارا کام یہ ہے کہ ان ممالک کے ساتھ مل کر کام کریں اور ان کو سمجھائیں کہ ہم بیرونی خطرات سے نمٹنے کے لیے ان کی کیا مدد کر سکتے ہیں اور ان کی دفاعی صلاحیتوں کو کیسے مضبوط بنا سکتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھائیں کہ ان ریاستوں کی اندرونی سیاست کو کیسے مستحکم بنایا جاسکتا ہے، تاکہ سنی نوجوان یہ جان سکیں کہ اسلامی ریاست (ISIS) جو ان کرنے کے علاوہ بھی ان کے پاس کئی دوسرے آپشنز موجود ہیں جن کا انتخاب وہ کر سکتے ہیں..... میں سمجھتا ہوں کہ سنی عربوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ نہیں کہ ایران ان

پر چڑھائی کر دے گا بلکہ اصل اور بڑا خطرہ ان ممالک کی آبادیوں کا وہ اندرونی خلفشار اور اضطراب ہے جو وہاں پروان چڑھ رہا ہے۔ ان ممالک کے ساتھ ان موضوعات پر بحث کرنا بہت مشکل تر ہے لیکن ایسا کرنے کے سوا ہمارے پاس کوئی اور چارہ کار بھی نہیں۔“

صدر اوباما کے اس انٹرویو کے بہت سے مضمرات پر بحث و تجسس کی ضرورت ہے لیکن ہم نے سردست اس کا ایک اقتباس اس لیے نقل کیا ہے کہ مشرق وسطیٰ کے تنازعہ کی مجموعی صورت حال کیا ہے اور اسے صرف یمن کا داخلی معاملہ یا زیادہ سے زیادہ یمن کے ساتھ سعودی عرب کی علاقائی کشمکش کا درجہ دے کر قومی پالیسی تشکیل دینے والے عناصر نے کس قدر بھولپن کے ساتھ اس خطے کے علاقائی تناظر سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

جہاں تک امریکہ اور اس کے حواری عالمی استعماری حلقوں کا تعلق ہے ان کی توپا نچوں انگلیاں گھی میں اور سرکڑا ہی میں ہے کہ مشرق وسطیٰ میں سنی شیعہ کشمکش کی آب یاری اور اس کی آڑ میں اپنے مفادات کے حصول کا اس سے بہتر کوئی موقع اسے شاید کبھی ملا ہو۔ چنانچہ وہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

گزشتہ روز ایک دوست نے کہا کہ سنی شیعہ کشیدگی امریکہ کی پیدا کردہ ہے، ہم نے عرض کیا کہ نہیں یہ کشیدگی اور باہمی جنگ و جدال امریکہ کی دریافت سے بھی صدیوں پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ البتہ اسے استعمال کرنے اور اس سے اپنے مفادات حاصل کرنے کے لیے جس چابکدستی اور ہنرمندی کا امریکہ مظاہرہ کر رہا ہے اس سے قبل اس کی کوئی مثال اس سطح پر دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کشیدگی کو اس سطح پر لے جانے کے لیے ہمارے داخلی ماحول میں کس کس کا کیا کیا کردار ہے، کیونکہ اس کا جائزہ لیے بغیر اور اس داخلی کردار کا راستہ روکے بغیر عالمی استعمار کے ایجنڈے کی راہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ ستم ظریفی کی بات ہے کہ صدر امریکہ کو آج عرب سنی آبادیوں کا حکومتی معاملات سے بے گانہ ہونے کا غم کھائے جا رہا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ عرب عوام کو حکومتی معاملات سے لائق رکھنے کے ماحول کو عالمی سطح پر سرپرستی کس کی حاصل رہی ہے؟

آج بھی صورت حال یہ ہے کہ جمہوریت اور عوام کی حکمرانی کے علمبردار امریکہ کے لیے پورے مشرق وسطیٰ میں شخصی حکومتیں خواہ وہ ملوکیت کے نام سے ہوں یا فوجی آمریت کی صورت میں ہوں یا ان پر ”ولایت فقیہ“ کا مقدس ٹائٹل آویزاں کر دیا گیا ہو، پوری طرح قابل قبول ہیں۔ مگر امارت اسلامی یا خلافت کسی بھی صورت میں قابل برداشت نہیں ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک مشرق وسطیٰ کے تنازعہ کی اصل جڑ ہی یہ ہے کہ امریکہ اور اس کے حواری استعماری ممالک عالم اسلام اور خاص طور پر مشرق وسطیٰ میں خلافت یا امارت کا ہر قیمت پر راستہ روکنا چاہتے ہیں۔ اسی کے لیے انہوں نے ملوکیت اور فوجی آمریت کی ہمیشہ سرپرستی کی ہے اور اسی رکاوٹ کو یقینی بنانے کے لیے اب وہ ”ولایت فقیہ“ کی طرف دوتی اور تعاون کا ہاتھ بڑھاتے دکھائی دے رہے ہیں۔

ہم ایک عرصہ سے دھائی دے رہے ہیں کہ مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیا کی سنی قیادت کو خواب غفلت سے بیدار ہو کر کھلی آنکھوں سے حالات کا جائزہ لینا چاہیے۔ سنی قیادت سے ہماری مراد حکومتیں اور حکمران طبقات نہیں بلکہ ارباب علم

و دانش ہیں۔ ہم بھی اسے اصلاً سنی شیعہ تصادم نہیں سمجھتے لیکن اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ عالمی استعمار کے ایجنڈے کی تکمیل کا موجودہ وقت میں عنوان اور ذریعہ بہر حال یہی ہے۔ ہم اس سے قبل بھی عرض کر چکے ہیں کہ ایران کے مذہبی انقلاب کے بعد اگر ایرانی قیادت خود کو اردگرد کے ممالک کی دینی تحریکات کے حریف کے طور پر سامنے لانے کی بجائے رفیق و معاون کا کردار ادا کرتی تو یہ عالم اسلام میں عالمی استعمار کے مذموم ایجنڈے کے لیے موت کا پیغام ہوتا۔ مگر بد قسمتی سے ایسا نہیں ہوسکا اور استعماری قوتوں کو اسی بد قسمتی کے مین گیٹ سے اپنا ایجنڈا آگے بڑھانے کا موقع ملا ہے۔ ہم ایران کے پڑوسی ممالک کی دینی تحریکات کو بھی اس سلسلہ میں بے قصور نہیں سمجھتے، لیکن ہمارے نزدیک ٹرننگ پوائنٹ وہی تھا جہاں سے گاڑی غلط رخ پر مڑ گئی اور اسی رخ پر اب تک چلی جا رہی ہے۔

اس حوالہ سے ایرانی قیادت کو احساس دلانے کی ضرورت ہے اور اگر ایرانی قیادت اپنے اس یک طرفہ اور حریفانہ طرز عمل پر نظر ثانی کے لیے تیار ہو تو اسے قبول کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ استعماری قوتوں کے عزائم کو مزید آگے بڑھنے سے روکنے کا اور کوئی راستہ موجود نہیں ہے۔ لیکن اس سے پہلے اور اس سے کہیں زیادہ ضروری یہ ہے کہ سنی قیادت حالات و واقعات کے صحیح ادراک کے ذوق سے بہرہ ور ہو اور پورے شعور و ادراک کے ساتھ پہلے عالم اسلام اور پھر اہل سنت کے نفع و نقصان کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر اپنے لیے کوئی واضح رخ اور پالیسی طے کرنے کی پوزیشن میں آئے، ورنہ اس وقت ہماری صورت حال اس سے مختلف نہیں ہے کہ:

۔ رو میں ہے رخس عمر کہاں دیکھیے تھے

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

### تمغہ امتیاز

گزشتہ ۲۳ مارچ کو میں نے زندگی میں دوسری بار شیروانی پہنی۔ اس سے قبل شادی کے موقع پر ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو شیروانی پہنی تھی جو حضرت والد محترم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بطور خاص میری شادی کے لیے سلوائی تھی۔ خود میرے ساتھ بازار جا کر ٹیلر ماسٹر کو ناپ دلوا یا تھا اور ایک ترقی ٹوپی بھی خرید کر دی تھی۔ یہ دونوں شادی کے دن میرے لباس کا حصہ بنیں۔ ترقی ٹوپی میں اس کے بعد بھی ایک عرصہ تک خاص تقریبات میں پہنتا رہا ہوں لیکن شیروانی دوبارہ پہننے کا حوصلہ نہیں ہوا اور وہ میں نے شادی کے دوسرے دن چھوٹے بھائی مولانا عبدالقدوس قارن کو دے دی۔ اپنے اپنے مزاج کی بات ہے، شیروانی اور بند کوٹ میں خود کو گھٹا گھٹا محسوس کرتا ہوں، حتیٰ کہ واسکٹ کے بٹن بند کرنے میں بھی مجھے الجھن ہوتی ہے، جبکہ مایہ والے سوتی کپڑوں میں لباس کے ساتھ خود بھی اکڑے رہنا پڑتا ہے اس لیے اس سے حتیٰ الوسع بچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن اس سال صدر پاکستان کی طرف سے ”یوم پاکستان“ کے موقع پر جن حضرات کو صدارتی تمغوں کے لیے نامزد کیا گیا ان میں تمغہ امتیاز پانے والوں میں میرا نام بھی شامل تھا۔ یہ تمغہ ۲۳ مارچ کو گورنر ہاؤس لاہور میں ایک تقریب کے دوران گورنر پنجاب کے ہاتھوں ملنا تھا۔ اس تقریب میں شرکت کا دعوت نامہ ملا تو اس میں یہ

شرط درج تھی کہ شیروانی اور جناب کیپ بہن کر شریک ہونا ہے۔ میرے پاس یہ دونوں موجود نہیں تھیں، اس لیے جناح کیپ تو بازار سے خریدی اور شیروانی کے لیے کسی دوست کی تلاش شروع کر دی جس سے ایک دن کے لیے عاریتاً حاصل کر سکوں۔ گزشتہ ہفتے فیصل آباد جانا ہوا تو شام کا کھانا جامعہ اسلامیہ امدادیہ میں مولانا مفتی محمد زاہد صاحب کے ساتھ کھایا اور انہی سے فرمائش کر دی کہ اگر ایک روز کے لیے کوئی مناسب شیروانی مل جائے تو فقیروں کا کام چل جائے گا۔ انہوں نے اپنی شیروانی عطا کی جو پہننے پر مناسب لگی تو ساتھ لے آیا۔

حسن اتفاق سے اسی روز (۲۳ مارچ) صبح بخاری شریف کے سبق میں یہ روایت پڑھنے میں آئی کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے اپنی ایک خادمہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی قمیص کی طرف اشارہ کیا کہ یہ لڑکی اس جیسی قمیص گھر کے اندر پہننے میں بھی ہنک محسوس کرتی ہے۔ حالانکہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اسی قسم کی قمیص میرے پاس تھی اور مدینہ منورہ میں کسی خاتون کو تقریب کے لیے بننا سنورنا ہوتا تھا تو مجھ سے وہ قمیص منگوا کر پہنتی تھی۔ یہ روایت پہلے بھی کئی بار نظر سے گزر چکی تھی لیکن اس روز صبح ایک بار پھر پڑھ کر تسلی ہوئی کہ مانگے کی شیروانی بہن کر تقریب میں شریک ہونا کوئی غلط بات نہیں ہے۔ بہر حال اس روز شام کو اپنے ایک قریبی دوست حافظ محمد یحییٰ میر کے ہمراہ گورنر ہاؤس کی تقریب میں شریک ہوا اور بہت سے دیگر حضرات کے ساتھ تمنغہ امتیاز سے نوازا گیا۔ قائم مقام گورنر پنجاب رانا محمد اقبال جب میرے سینے پر تمنغہ امتیاز آویزاں کر رہے تھے تو ایک لمحہ کے لیے یہ سوچ کر میرے لبوں پر مسکراہٹ سی پھیل گئی کہ گورنر صاحب محترم تمنغہ تو مجھے دے رہے ہیں لیکن جس شیروانی پر آویزاں کر رہے ہیں وہ مفتی محمد زاہد صاحب کی ہے۔ بہر حال اس تقریب میں تمنغہ امتیاز اور اس کے ساتھ صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان کی طرف سے دی گئی سند امتیاز سے بہرہ ور ہوا جو ان الفاظ میں ہے کہ:

”میں بحیثیت صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان جناب محمد عبدالستین خان زاہد (زاہد الراشدی) کو تعلیم کے

شعبہ میں امتیازی مرتبہ حاصل کرنے پر تمنغہ امتیاز کا اعزاز عطا کرتا ہوں۔“

اس تقریب میں مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی بہت سی شخصیات کو مختلف تمنغوں سے نوازا گیا جن میں سے میرے پرانے دوستوں میں مولانا قاری احمد میاں تھانوی، سید تابش لوری اور جناب عبدالرؤف طاہر بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ان سے مل کر مبارک باد کا تبادلہ کیا اور ہم باہمی دعاؤں سے فیض یاب ہوئے۔ سند امتیاز کے ساتھ سرکاری گزٹ میں تمنغہ پانے والے ہر صاحب کے ساتھ کچھ تعارفی کلمات درج ہیں، ان میں سے ایک معروف شخصیت سیالکوٹ کے پروفیسر اصغر سودائی مرحوم بھی ہیں جن کا تمنغہ ان کے فرزند نے وصول کیا۔ ان کے لیے لکھے گئے چند تعارفی کلمات اس کالم کے ذریعہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ اس لیے کہ آج کے دور میں جبکہ پاکستان کی اسلامی نظریاتی شناخت اور دستور پاکستان کی اسلامی اساس کو مجروح کرنے کی مسلسل کوششیں کی جا رہی ہیں، پروفیسر اصغر سودائی مرحوم کا یہ تعارف نامہ ایک تاریخی شہادت کا درجہ رکھتا ہے۔ اس تعارف میں لکھا ہے کہ:

”آپ نے جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر شرکت کی اور طلبہ اور عام لوگوں سے خطاب کیا تاکہ ان میں

آزادی کی روح اور جذبے کو تقویت دی جائے۔ ایک بار آپ سیالکوٹ میں رام تلانی گراؤنڈ میں تقریر کر رہے تھے کہ ایک ہندو طالب علم نے آپ سے پاکستان کا مطلب پوچھا جس پر پروفیسر اصغر سودائی نے فوراً ان تاریخی الفاظ میں جواب دیا کہ لا الہ الا اللہ۔ آپ نے یہ نعرہ اپنی ایک نظم میں لگایا اور اپنی شاعری کا ۱۹۴۴ء میں حصہ بنا لیا۔ اس نعرہ نے پوری تحریک پاکستان کو متحرک کر دیا۔ بزرگ کہتے ہیں کہ قائد اعظم نے خود ایک بار کہا کہ اصغر سودائی کا تخلیق پاکستان میں ۲۵ فی صد حصہ ہے۔ یہ لازوال اور قومی نعرہ لا الہ الا اللہ محترم جہاں آرا بیگم کی کتاب کا حصہ بن گیا جو ”پاکستان کے قومی گیت“ کے عنوان سے ۱۹۴۶ء میں دہلی سے شائع ہوئی۔“

گورنر پنجاب سے ”تمغہ امتیاز“ وصول کرتے ہوئے میری نگاہوں کے سامنے ایک تصویر مسلسل جھلملاتی رہی جو کہ کراچی کے ڈاکٹر محمد ثقلیل اوج شہید کی تھی، وہ بھی ہمارے ساتھ ”تمغہ امتیاز“ کے لیے نامزد کیے جانے والوں کی فہرست میں شامل تھے اور مجھے سب سے پہلے اس کی اطلاع اور مبارک باد انہوں نے ہی دی تھی۔ ان کا یہ تمغہ گورنر سندھ سے ان کے فرزند نے وصول کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جو اجر رحمت میں جگہ دیں اور ہم سب کو ملک و قوم کی مسلسل خدمت کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

## مقالاتِ ایوبی

رنحاص قلم: مولانا قاضی محمد روئیس خان ایوبی

چند عنوانات: ۰ منافع خوری کی حد اسلامی نقطہ نظر سے ۰ عدالتی فسخ نکاح کی شرعی حیثیت ۰ زنا غیر مستوجب حد میں مجرم کو تعزیری سزا ۰ عوامی مفاد کے لیے قبرستان اور مسجد کی جگہ کا استعمال ۰ واقعہ کربلا تاریخ کے آئینے میں ۰ طلبہ کے سوالات و اشکالات اور ارباب مدارس کا رویہ

ناشر: الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ

صفحات: ۲۴۶۔ قیمت: ۲۵۰ روپے